© rasailojaraid.com

جناب لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل صاحب

اعلان لاہور ...... کیا کھویا، کیا پایا؟

واجپائی آندھی کی طرح آئے اور طوفان کی طرح واپس چلے گئے۔ وہ آئے نہیں لائے گئے تھے۔ ان کی حکومت شاخ نازک کا آشیانہ ہے، امریکہ کی طرف سے چلنے والی آندھی جس کے تنکے کسی وقت بھی بکھیر سکتی ہے۔ حال ہی میں ہونے والے ریاستی انتخابات میں کانگریس کی پانچ ریاستوں میں کامیابی ان کی حکومت کے زوال کی خبر تھی۔ ادھر صدر بل کلنٹن اپنے دوسرے دور اقتدار کے آخری ایام میں کوئی تاریخی کارنامہ سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ سیکس سکینڈل نے پہلے ہی ان کا خاصا وقت ضائع کر دیا ہے۔ اب ایشیا ان کا خصوصی ہدف ہے۔ واجپائی کے حالیہ دورے کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیئے۔ "بس ڈپلومیسی" امریکی ایجنڈے کا ہی حصہ ہے۔ واجپائی کے دورے سے پہلے مسٹر ٹالبوٹ کا دورہ پاک و ہند اور ایک اخباری گروپ کی دعوت اور حکومتی معاونت سے بھارتی پارلیمانی وفد کی آمد معنی خیز اقدامات تھے۔ ان ہی دنوں برطانیہ کے شاطر ترین سابقہ سفیر نکلسن بر نگٹن اور دہلی میں امریکہ کے پاکستان دشمن سفارتکار فرینک وزنر کی پاکستان میں موجودگی خالی از علت نہ تھی۔ یہ سب واقعات اس امر کی عکاسی کر رہے تھے کہ ایک خاص ایجنڈے پر بڑی سرعت سے عملدر آمد ہو رہا ہے۔

پاکستان اور بھارت کو قریب لانے میں امریکہ کے بے پناہ مفادات پوشیدہ ہیں، جن میں سرفہرست اسلامی نظام کے نفاذ کو روکنا، نیوکلیئر صلاحیت کو ختم کرنا، افواج پاکستان میں کمی اور ابھرتے ہوئے جذبہ جہاد کو سرد کرنا شامل ہیں۔ ظاہر ہے یہ ٹارگٹ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک مسئلہ کشمیر زندہ ہے جو پاکستان کو ان صلاحیتوں سے دستبردار نہ ہونے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ بھارتی نیوکلیئر ایٹمی صلاحیت ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، کیونکہ بھارت نے تو اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ 1974ء میں ہی کر دیا تھا اور 11 مئی 1998ء کے دھماکے سے پہلے 24 برسوں میں امریکہ نے بھارت سے نیوکلیئر صلاحیت سے دستبردار ہونے کا کبھی مطالبہ نہیں کیا۔ امریکہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برطانیہ بھی چاہتے ہیں کہ بالآخر پاکستان علاقے میں بھارت کی بالادستی قبول کرلے تاکہ بھارت یک سو ہو کر چین کی ابھرتی ہوئی سپر پاور کے سامنے صف آراء ہو سکے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امریکی دفتر خارجہ کی تنظیم نو میں افغانستان کو جنوبی ایشیاء کے شعبے سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ یعنی دہلی کے رول کو وسیع تر کیا جا رہا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ امریکہ اپنے مفادات کے پیش نظر مسئلہ کشمیر کا جلد کوئی حل تلاش کرنے کی فکر میں ہے، کیونکہ اسے برصغیر میں غیر ارادی طور پر ایک نیوکلیئر جنگ چھڑنے کے امکانات کا بھی خوف لاحق ہے، لیکن وہ حل کیسا ہوگا؟

اگر امریکہ کو واقعی کشمیر کے حوالہ سے ایٹمی جنگ کے خطرے نے پریشان کر رکھا ہے تو وہ اسے سیدھے طریقے سے اقوام متحدہ میں کیوں نہیں لے جاتا، لیکن یو این او (UNO) میں تو استصواب رائے کی ہی بات ہوگی لہذا یہ تو طے شدہ ہے کہ امریکہ کی نظر میں کشمیریوں کو عمومی حق رائے دہی حاصل ہونا مسئلے کا حل نہیں۔ ان کی نظر کسی متبادل حل پر جمی ہوئی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ امریکی اہداف اور پاکستانی مفادات میں کون سی یکسانیت ہے...... اور اگر نہیں تو ہم ان سے ہدایات لے کر کیا حاصل کریں گے؟۔ واہگہ سرحد پر واجپائی کے استقبال کے لئے صرف پنجابی وزراء اور حکام کو ہی کیوں لایا گیا؟ روایات کے برعکس پہلی بار دارالحکومت کے بجائے پنجاب کے صدر مقام کو مذاکرات کے لئے کیوں چنا گیا؟ تمام مراحل اور معاملات لاہور میں کیوں طے پائے؟ بھارتی ٹیلی ویژن نے لاہور اور پنجاب کی تکرار کس حکمت کی نشاندہی ہے؟ پنجاب کے تشخص کو پاکستان سے الگ کر کے دکھانا کیوں ضروری تھا؟ یہ سب کچھ بھی محض اتفاق تو نہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ نے بھی پاکستان سے زیادہ لاہور کا ذکر کیا۔ اس سے قبل سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ کا دورہ بھی لاہور تک محدود رکھا گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ قومی [illegible] کو ترقی دینے کے بجائے "پنجابیت" اجاگر کرنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔ پہلی بار ہندوستان سے [illegible] اور مفاہمت کا پرچار کرنے والی سوچ بچار خاص طور پر ابھاری گئی جس سے حوصلہ پا کر پاک و ہند کنفیڈریشن اور مشترکہ کرنسی کا پرچار کرنے والے میدان میں آگئے اور عنقریب ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگانے والے بھی راگ الاپنے لگیں گے۔ اگرچہ ابھی یہ سوچ بالائی سطح پر مراعات یافتہ طبقے تک ہی محدود ہے جو اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفادات کی خاطر ہر اخلاقی اور نظریاتی حد پھلانگ سکتا ہے، مگر تعجب ہے کہ یہ سوچ حکومتی اداروں کے پروپیگنڈے کے بل پر عوام میں راسخ کرنے کی بھی کوششیں کی جارہی ہیں۔ کیا قوم کو نظریاتی طور پر تقسیم کرنے کی سازش ہو رہی ہے؟ یہ خطرہ اب ہمارے سر پر آپہنچا ہے کہ مفاد پرست طبقہ خواہ حکومتی ہو یا اپوزیشن، پاکستان کی نظریاتی اساس کو ہی قربان نہ کر ڈالے۔ یہ تو مسئلہ کشمیر اور ایٹمی پروگرام کے رول بیک ہونے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کہیں نظریہ پاکستان ہی رول بیک نہ ہو جائے! (خدانخواستہ)۔ مذاکرات کا عمل ضرور جاری رہنا چاہیئے لیکن دوسروں کے مسلط کردہ مذاکرات سے ہمیں ہمیشہ نقصان ہوا۔ حالیہ مذاکرات میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پاکستان اور کشمیریوں کی سوچ میں خلا پیدا ہوا۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس، آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں اور کشمیر ایکشن کمیٹی نے ان مذاکرات کو مسترد کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ پاکستان اور کشمیر کے درمیان جذباتی خلا پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ان کی یقیناً کوشش اور خواہش ہے کہ کشمیر کو ایسے مقام تک لایا جائے جہاں وہ پاکستان سے بھی متنفر ہو جائے۔ اس موقع پر امریکہ اپنی آخری چال چل سکتا ہے یعنی کشمیریوں کو حق خودارادیت اس طرح دلائے کہ کشمیر کی بدربانٹ ہو جائے۔ علاقائی استصواب کی بات انہوں نے پہلے ہی چھیڑ رکھی ہے لہذا جہاد کشمیر کو ہماری سفارتی کوششوں سے نہیں بلکہ اس تصور سے توانائی فراہم ہوتی ہے کہ پاکستان مجاہدین کی پشت پر موجود ہے لیکن اگر پاکستان اور کشمیر کی سوچ میں فرق آجاتا ہے تو انکی منزلیں بھی الگ ہو جائیں گی۔ اس فکر سے جہاد کشمیر کو ضعف پہنچتا ہے تو نقصان اور اگر کشمیریوں کا تصور تبدیل ہوتا ہے تو اس سے بھی بڑا نقصان! واجپائی کو ان مذاکرات سے بہت ریلیف ملا۔ علاقے میں ایٹمی ٹکراؤ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، امریکہ مضطرب تھا اور اس کے حوالے سے بھارت پر بین الاقوامی دباؤ تھا، واجپائی اس دباؤ کو Defuse کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کشمیر کا مسئلہ شملہ معاہدے کے ذریعے حل کرنے کی بات ہوئی اور ایک بار پھر مسئلہ کشمیر کو دو ممالک کا مسئلہ تسلیم کر لیا گیا۔ ہماری حکومت کچھ عرصے سے ثالثی کا مطالبہ کر رہی تھی، اگرچہ ثالثی کا مطالبہ بھی غلط تھا۔ ہمارا موقف اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر حل کرنا ہے لیکن بھارت اس پر دوطرفہ مذاکرات کی جگالی کر رہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ اب ہم نے اس کی بات مان کر اپنی پوزیشن کمزور کر لی ہے، حالانکہ گذشتہ 27 برس سے شملہ معاہدہ ردی کی ٹوکری میں پڑا تھا، لیکن واجپائی نے اسے پھر زندہ کرالیا۔ بھارت نے دنیا کو یہ باور کرالیا ہے کہ جنوبی ایشیا میں ایٹمی جنگ کا خطرہ ٹل گیا، حالانکہ ہماری ایٹمی صلاحیت کی وجہ سے کشمیر فلیش پوائنٹ بن گیا اور اس کے سیکورٹی کونسل میں جانے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے، لیکن ہم نے اپنے ہاتھ سے یہ موقع ضائع کر دیا۔

شملہ معاہدہ ایک غیر مساوی معاہدہ Unequal treaty جو شکست خوردہ پاکستان کو حالات کے جبر کے تحت قبول کرنا پڑا۔ 27 سال کے عرصے میں اس معاہدے کے تحت صرف ایک دفعہ (یکم جنوری 94ء کو) خارجہ سیکرٹریوں کی سطح پر مذاکرات ہوئے۔ شملہ معاہدہ کی تخلیق کے ماحول سے اب تک حالات میں زمین و آسمان کا فرق آچکا ہے۔ تب ہم شکست کے صدمے سے دوچار تھے، آدھا ملک گنوا بیٹھے تھے، ہمارے ۹۳ ہزار فوجی بھارت کی قید میں تھے، ملک کے کچھ علاقوں پر بھارتی فوج قابض تھی، بھٹو حکومت قدم جمانے کی تگ و دو کر رہی تھی جبکہ مقابلے میں فاتح اندرا گاندھی کی مضبوط حکومت "ہزار سالہ غلامی کا بدلہ چکانے" کے نشے سے سرشار تھی۔ آج ہم ایٹمی پاکستان، ملت اسلامیہ کی آنکھ کا تارا، افغانستان میں روس کی شکست کا باعث، جہاد کشمیر کے جذبوں سے آراستہ اور تاریخی مینڈیٹ کا ملک ہیں۔ وہ لمحات جو ہماری ذلت، رسوائی اور تنہائی کے تھے اور آج ہماری سرخروئی اور سربلندی کے ہیں، کیسے مساوی قرار پا سکتے ہیں؟ شملہ معاہدہ ہماری شرمساری کی یادگار ہے۔ یہ کون سی دانش ہے کہ آج پھر ہم شملہ معاہدہ کی گود میں جا گریں۔ شملہ معاہدہ دراصل Indiira Doctrine کا شاخسانہ ہے جس میں بین السطور جنوبی ایشیا کے ممالک کو دہلی کے ساتھ معاملات نمٹانے ہوں گے۔ دوطرفہ Bilaterlism کے ذریعے دہلی کی محوری حیثیت کو تسلیم کروانا مقصود ہے۔ امریکہ اور برطانیہ واضح طور پر ہمیں اور افغانستان کو دہلی کے مدار (Orbit) میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اقتصادی زبوں حالی اور احساس تنہائی کے دباؤ تلے نیو ورلڈ آرڈر کے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن چین کو یہ ترتیب قبول نہیں۔ اس عظیم ہمسایہ ملک نے بروقت اپنا اعلیٰ سطحی وفد بھیج کر ہماری ڈھارس بندھانے کی کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے۔ ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ الحمدللہ، ہم افغانستان سے روس کو بھگا چکے ہیں، کشمیر میں نصف سے زائد بھارتی فوج مجاہدین کے نرغے میں ہے اور اسلام آباد کا اثر مشرق وسطیٰ، وسط ایشیا اور جنوبی ایشیا تک پھیل چکا ہے۔ ہمارا نظریہ اور مخصوص محل وقوع ہم کو بھارت سے کہیں زیادہ طاقت فراہم کرتا ہے۔ ایسی صورت میں دہلی کے مفادات کا محافظ شملہ معاہدہ ہمیں فی الفور مسترد کر دینا چاہیئے اسے کامیابی کا سہرا بنا کر ماتھے پر سجانا کسی طور پر مناسب نہیں۔

اعلان لاہور کو قرارداد پاکستان سے بھی بڑا تاریخی واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ واجپائی کے مینار پاکستان کے بیان پر خوشیاں منائی جارہی ہیں کہ بالآخر بھارت نے پاکستان کو تسلیم کر لیا۔ ہم آخر اس احساس کمتری کا شکار کیوں ہیں؟ کسی کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہماری اپنی حیثیت ہے۔ ایٹمی صلاحیت، جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر کی بدولت خداوند کریم نے ہمیں وہ طاقت فراہم کی ہے کہ تیسری دنیا کا ہمارا جیسا کوئی اور ملک اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہماری قیادت کو احساس ہی نہیں کہ ہم دوستوں اور دشمنوں کی نظر میں کتنے اہم ہیں۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اعلان لاہور نے کشمیر سمیت پاکستانی مفادات کو شملہ معاہدے کی نذر کر دیا، حتیٰ کہ کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ البتہ بھارت اور پاکستان نے اپنی اپنی نیوکلیئر صلاحیتوں کو محدود کرنے اور اتفاقیہ جنگ کے امکانات کو روکنے کے معاہدے پر دستخط کر لیے۔ امریکہ کے ایجنڈے پر تو قدم آگے بڑھے لیکن پاکستان بے نیل مرام رہا۔ کشمیر بدستور سسکتا رہا اور مزید مصائب کا منتظر ہے۔ مجاہدین کے اندیشوں میں اضافہ ہوا اور قوم کی بنیادی فکر میں شگاف پڑے۔ پاکستان کو درپیش صورتحال قومی سطح پر دانشمندی، استقامت اور مزاحمت کی متقاضی ہے، لیکن بدقسمتی سے حکومت اور پارلیمانی اپوزیشن دونوں ہی امریکہ کی خوشنودی کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں ہیں۔ محترمہ بینظیر صاحبہ، جناب وزیراعظم کو گورباچوف کا لقب دیتی ہیں لیکن خود بورس یلسن کا کردار ادا کرنے کیلئے مضطرب ہیں۔ نواز شریف صاحب کی نیت پر شبہ نہیں، مگر اس نازک مقام پر ان کی صلاحیت میں شبہ کی گنجائش موجود ہے۔ وہ مشاورت کے قائل نہیں اور عجلت میں ذاتی فیصلے کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال یہ ہے ان حالات میں قوم کیسے اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو؟ میرے خیال میں رائے عامہ کی بنیاد پر کسی پلیٹ فارم سے حکومت کو قومی مشاورت وصول کرنے پر مجبور کرنا ازحد ضروری ہے۔ اب کہ عجلت میں مذاکرات کا آغاز ہو ہی گیا ہے تو ان سے مثبت نتائج نکالنے کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا جائے جو مندرجہ ذیل خطوط پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

(1)۔ قومی اہمیت کے معاہدوں کی توثیق (Ratification) کا طریقہ فوراً تبدیل کر دیا جائے اور پارلیمنٹ کی منظوری ضروری قرار دی جائے۔ اس وقت تو محض دفتر خارجہ ہی یہ کام کر گزرتا ہے جیسا کہ سی ڈبلیو سی (CWC) کی توثیق کے سلسلے میں کیا گیا، حد یہ ہے کہ کابینہ تک کو اعتماد میں نہ لیا گیا۔ (2)۔ مذاکرات محض مسئلہ کشمیر کے حل تک محدود رکھے جائیں اور وقت کے پابند (Time bound) ہوں۔ 24 ستمبر 1999ء، سی ٹی بی ٹی (CTBT) پر دستخط کی آخری تاریخ ہے۔ اس لیے یکم ستمبر 1999ء تک مذاکرات کسی حتمی فیصلے تک پہنچ جانے چاہئیں۔ (3)۔ امریکہ اور بھارت پر واضح کر دیا جائے کہ اگر اس بار بھی مذاکرات ناکام ہوئے تو ہم صرف یو این او سے بات کریں گے اور وہ بھی کشمیر پر موجود ریزولیوشن پر عملدرآمد سے متعلق۔ (4)۔ دونوں طرف کی کشمیری قیادت کو فوراً اعتماد میں لیا جائے اور مشاورت میں شامل کیا جائے۔ (5)۔ کشمیر میں انسانی حقوق کی بحالی کیلئے ہر وہ قدم اٹھایا جائے جس کی ضرورت ہے۔ (6)۔ مذاکرات کی ناکامی کی شکل میں آزاد کشمیر کو اجازت ہو کہ وہ باقاعدہ اعلان جہاد کرے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دے۔ اگر ہماری نئی حکمت عملی سے امریکہ اور بین الاقوامی برادری کو تشویش لاحق ہو تو وہ کشمیر کا جائز حل تلاش کریں۔ محض وقت گزاری کے حیلے بہانے نہ ڈھونڈیں، کشمیری اپنے ووٹ کا حق ہی تو مانگتا ہے۔ دنیا کیوں اسے اس حق سے محروم رکھنے پر مصر ہے۔

(7)۔ "خاموش ڈپلومیسی" کا ڈھونگ فوراً ختم کر دیا جائے کہ اس کے پردے میں قوم کے خلاف جرم چھپائے جانے کا اندیشہ ہے۔ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ قوم ہمہ وقت بیدار رہے کیونکہ خوابیدہ قوموں کے ساتھ وارداتیں ہو جایا کرتی ہیں۔ سقوط ڈھاکا، غرناطہ، بغداد اور بے شمار ایسی ہی المناک داستانیں امت مسلمہ کی خوابیدگی کے نتیجے میں ہی رقم ہوئی تھیں۔

© rasailojaraid.com